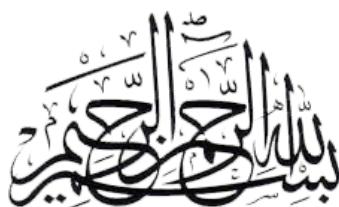


| پاکستان (تصویر وطن) محمد امین

## پاکستان کا دینی نظام تعلیم ... چند اصلاحی تجاویز



نظام تعلیم خواہ کوئی سا بھی ہو، اس کی تشکیل کے وقت اس کے اهداف و مقاصد کا تعین کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نظام تعلیم کی کامیابی یا ناکامی کا تجزیہ کرنا ہو تو اس کا معیار یہی ہو سکتا ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ وہ اپنے طے کردہ مقاصد و اهداف کے حصول میں کتنا کامیاب یا ناکام رہا ہے؟ پاکستان میں اس وقت پرائیوریٹ سیکٹر میں جو چھوٹے بڑے ہزاروں دینی مدارس کام کر رہے ہیں، ان کے قیام کے مقاصد کیا ہیں؟... ان مقاصد کو دو نکات میں شمار کیا جاسکتا ہے:

- 1- ایسے علام کی تیاری جو دینی علوم میں مہارت رکھتے ہوں اور اعلیٰ شخصی کردار کے حامل ہوں۔
  - 2- یہ علام مسلمانان پاکستان کی دینی تعلیم کی ضرورت پوری کر سکیں اور ان کی دینی تربیت کر سکیں۔
- ہم دیکھتے ہیں کہ کیا ہمارے دینی مدارس ان آہداف کے حصول میں کامیاب رہے ہیں؟ ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ نہایت کامیاب رہے ہیں اور پاکستانی معاشرے میں اس وقت جو بھی دینی سرگرمیاں نظر آتی ہیں، وہ انہی علام کی جدوجہد کا نتیجہ ہیں جو دینی وجاہت سے محرومی برداشت کر کے، رزق کفاف پر صبر کر کے معاشرے کو دینی تعلیم سے مالا مال کر رہے ہیں۔ انہی کے دم سے مسجدیں آباد ہیں جہاں پانچ وقت نمازیں پڑھائی جاتی ہیں، جمعہ کا خطبہ دیا جاتا ہے، بچوں کو قرآن پڑھایا جاتا ہے۔ دینی تہواروں اور پیدائش، نکاح، تدفین اور ایسے ہی دیگر موقع پر دینی رسوم و آعمال بجا لائے جاتے ہیں۔ انہی دینی مدارس میں قرآن حفظ کروایا جاتا ہے، اس کی تجوید پڑھائی جاتی ہے۔ دورہ حدیث کروایا جاتا ہے اور دوسرا دینی علوم پڑھائے جاتے ہیں وغیرہ... یہ وہ امور ہیں جن سے کوئی شخص شاید ہی انکار کر سکے لیکن اس بارے میں ایک دوسرا نقطہ نظر بھی ہے جس کے مطابق:
- 1- یہ مدارس دینی تعلیم مسلک کی بنیاد پر دیتے ہیں جس سے دینی افراد اور رجمنتوں کے درمیان نہ صرف خلیج پیدا ہو چکی ہے بلکہ روز بروز بڑھ رہی ہے

- اس نے نہ صرف عوام اور امت کو منقسم کر رکھا ہے بلکہ آپس میں بھی سرپھٹوں سے آگے بڑھ کر نوبت قتل و غارت گری تک پہنچ پچکی ہے۔ مدرسون کے علاوہ مسجدوں پر بھی اہل مسلم کا قبضہ ہے اور رسمجذیں اللہ کے گھر بننے کی بجائے مسلکوں کے گھر بن پچکی ہیں۔

2- اسی کا یہ بھی شاخصہ ہے (اگرچہ دوسرے عوامل بھی ہیں) کہ علماء اور دینی عناصر کے عدم اتحاد کی وجہ سے اس ملک میں آج تک شریعت نافذ نہیں ہو سکی۔ حکومتیں علماء اور ان کی جماعتوں کو آپس میں لڑائے رکھتی ہیں اور متحد نہیں ہونے دیتیں تاکہ وہ آرام سے حکومت کرتی رہیں۔ اگر علماء اور ان کی جماعتیں صحیح معنوں میں متحد ہو جائیں تو نفاذ اسلام کی چوٹی آسانی سے سر کی جا سکتی ہے۔

3- یہ بھی دینی مدارس کے نظام تعلیم و تربیت کا نقصہ ہے کہ وہ علماء میں اخلاق، بے نفسی اور للہیت پیدا نہیں کرتا اور انہیں اتنا بیدار مغز، شجاع اور زیرک نہیں بہتا کہ وہ نفس کے حملوں سے بھی پنج سکیں اور اسلام و شمن عناصر کی سازشوں کو سمجھ کر ان سے بھی نمٹ سکیں۔

4- دینی مدارس نے عصری علوم سے عدم اعتماد کی پالیسی کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ اس وجہ سے عصر حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کو جو چلنچ درپیش ہیں، وہ نہ انہیں سمجھ سکتے ہیں اور نہ اس کا مسکت جواب دے سکتے ہیں۔

5- پاکستان میں جو جدید تعلیم مروج ہے، اس میں دینی تعلیم کا حصہ برائے نام ہے اور نہ وہاں اسلامی تربیت کا کوئی انتظام ہے۔ دوسرا طرف دینی مدارس میں جدید مضامین اور ماحول کا گزر نہیں۔ اس چیز نے جدید پڑھے لکھے لوگوں اور علماء میں ذہنی بعد پیدا کر دیا ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ شہروں میں جمعہ کے دن کسی بھی مسجد میں جا کر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ تقریباً ۹۰ فیصد سے زیادہ لوگ صرف نماز کے وقت مسجد میں آتے ہیں اور مولوی صاحب کی تقریر سننے کے لیے چند گنے پھنے لوگ ہی موجود ہوتے ہیں۔

6- علماء کی اکثر جماعتوں نے اپنی ساری قوتیں سیاسی جدوجہد میں لگا دی ہیں۔ پہلے ہر مسلم کی ایک جماعت بنی، پھر جتنے لیڈر بنتے گئے، ہر دینی سیاسی جماعت میں اتنے گروپ اور ذیلی جماعتیں بنتی گئیں جو آپس میں گھنٹم گھنا ہوتی گئیں اور علماء کے کرنے کا جواہل کام تھا یعنی تعلیم و تربیت، دعوت و اصلاح، تبلیغ دین اور رامر بالمعروف و نہی عن المنکر، ان کی طرف توجہ کم ہو گئی۔ اس سے نہ صرف دین کی ترجیحات متاثر ہو گئیں اور خود علماء پر اس کا براثر پڑا بلکہ اس چیز نے علماء کی ہوا خیزی کی ہے اور معاشرے پر ان کے آخلاقی اثر کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے... ان کی سیاسی ناکامی کی بڑی وجہ بھی یہی ہے۔

7- عوام کی دینی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بھی علماء کی ناکامیاں واضح ہیں مثلاً:

(الف) علماء نے عوام کو دین اسلام کے بنیادی مأخذ قرآن و سنت سے براہ راست استفادے سے محروم کر رکھا ہے۔ زیادہ سے زیادہ مساجد میں ناظرہ قرآن پڑھایا جاتا ہے، لیکن قرآن کے ترجمے اور فہم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی، نہ آحادیث پڑھائی جاتی ہیں۔ زیادہ زور اپنے مسلم کے فقہی مسائل کے بیان کرنے پر ہوتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ دینی مدارس میں علماء کی اپنی تربیت بھی اسی نجح پر ہوتی ہے۔

(ب) جدید تعلیم جو پاکستان میں مروج ہے، اس میں دینی تعلیم و تربیت کا حصہ برائے نام ہے۔ علماء نے اس خلاف پر کرنے کی کوئی سنبھیہ کوشش آج تک نہیں کی، حالانکہ یہ ایک انتہائی بنیادی بات ہے اور اس کے لیے مربوط اور منظم کوششیں کی جانی چاہئیں تھیں۔

(ج) طبقہ انسانیت اس سلسلے میں خاص طور پر مظلوم ہے کہ نہ ان کے لیے مساجد میں نماز پڑھنے کا کوئی انتظام ہے، نہ خطبہ سننے کا اور نہ ان کی دینی تعلیم کی کوئی صورت ہے؟

8- ان دینی مدارس کے انتظامی پہلوؤں پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔ ہر مسلم کا اپنا وفاقد ہے جو اپنے مسلم کے نقطہ نظر سے کتابیں پڑھاتا ہے۔ طلبہ کے داخلہ کے وقت عمر اور صلاحیت کی کوئی پابندی نہیں کی جاتی۔ اساتذہ کی اہلیت اور رسمخواہوں کا کوئی معیار مقرر نہیں۔ اساتذہ کی فنی تربیت کا بھی کوئی اہتمام نہیں، نیز ان مدارس سے فارغ ہونے والوں کے لیے سوائے اپنے مسلم کی مساجد و مدارس میں تعیناتی کے، کوئی ذریعہ رزق نہیں اور جتنے طلبہ فارغ ہوتے ہیں، ظاہر ہے اتنی مساجد اور مدارس موجود نہیں کہ سب لوگ کھپ سکیں۔ لہذا مساجد پر قبضے کے جھگڑے بھی سامنے آتے ہیں اور اسی طرح کے دوسرے مسائل بھی۔

ہماری رائے میں پہلا نقطہ نظر بھی صحیح تھا اور اس دوسرے نقطہ نظر میں بہت سی باتیں یقیناً قبل غور ہیں... مطلب یہ کہ دینی مدارس کی کچھ خدمات بھی ہیں جن سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ تاہم ان میں کچھ کمزوریاں بھی ہیں جنہیں تسلیم کرنا چاہیے اور ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ اگر علماء انصار کریں کہ ان کے دینی نظام تعلیم میں کوئی خرابی نہیں۔ ان کے ہاں سب اچھا ہے اور کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں تو ہمارے خیال میں یہ بھی انصاف نہیں۔ اپنی کمزوریوں کو کھلے ڈل ودماغ سے تسلیم کرنا اور ان کے ازالے کی کوشش کرنا یہی زندہ اور شجاع افراد و اقوام کا چلن ہوتا ہے۔ اسی سے اداروں میں اصلاح و ترقی ہوتی ہے اور مستقبل میں اچھے نتائج نکلتے ہیں۔

المذا آئیے، غور کرتے ہیں کہ پاکستان میں مرّوج دینی نظام تعلیم میں کیسے اصلاح کی جائے کہ اس کے طے کردہ اپداف احسن انداز میں حاصل ہو سکیں۔ لیکن تفصیلات میں جانے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان اصولوں کا ذکر کر دیا جائے جن پر ہماری اصلاحی تجویز مبنی ہوں گی جو یہ ہیں:

### بنیادی اصول

(1) تعلیمی ثنویت کا تصور مضر ہے یعنی یہ تصور کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کو دینی علوم کی کچھ خبر نہ ہو اور دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کو دینی تعلیم کا پتہ نہ ہو کیونکہ اس طرح مسلمان بچے کی شخصیت تقسیم ہو کر رہ جاتی ہے۔ جب کہ اسلام ایک وحدت ہے اور اس میں دین و دنیا کی کوئی تفریق نہیں۔

(2) دینی تعلیم کا بنیادی ہدف دینی مضامین میں رسوخ حاصل کرنا ہے لیکن اس کے لیے کسی خاص نصاب کو کوئی تقدس حاصل نہیں ہے۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ نصاب کی ترجیحات کو بدلا جا سکتا ہے اور مختلف مضامین کی کیتWeigtage کو بدلا اور طرق تدریس کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

(3) عصر حاضر کے مسائل اور تحدیات کو سمجھنے کے لیے مغربی فکر اور جدید مضامین کا مطالعہ ضروری ہے۔

(4) دینی تعلیم مسلک کی بنیاد پر نہیں دی جانی چاہئے۔ اسکے نقصانات کی طرف کچھ اشارات تمہید میں آچکے ہیں کہ اس چیز نے علا میں انتشار، تھب، فرقہ واریت اور دوسرا بہت سی مصیبتوں کو جنم دیا ہے۔

(5) تزکیہ و تربیت اور تحقیق بھی نصاب کا جز ہونی چاہیے۔

(6) دینی تعلیم سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لیے کسبِ رزق کامیاب و سعی ہونا چاہیے۔

... آب آئیے تفصیلی اور اصلاحی تجویز کی طرف او ران میں بھی سب سے پہلے نصاب، کہ یہ نظام تعلیم کا بہت اہم عصر ہے۔ ہماری رائے میں درسِ نظامی کے موجودہ نصاب میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں ناگزیر ہیں:

### اولاً... دینی علوم

(1) قرآن حکیم پر ترکیز: قرآن حکیم دینی تعلیم کا مرکزی مضمون ہونا چاہیے جو شروع سے لے کر آخر تک پڑھایا جائے۔ یہ نہ صرف دیگر دینی مضامین کا عمود ہو بلکہ اس کا لفظی ترجمہ نحوی و صرفی تحلیل کے ساتھ شروع سے آخر تک پڑھایا جائے۔ تفسیر کے مختلف مکتبہ ہائے فکر میں سے منتخب اجرا تعقیل کے ساتھ پڑھائے جائیں۔ قرآنی آیات سے استنباط احکام کی مشق کروائی جائے۔ دیگر علوم القرآن جیسے شانِ نزول، ناسخ و منسوخ، قراءات اور اصول تفسیر وغیرہ بھی پڑھائے جائیں۔

(2) مطالعہ حدیث: دورہ حدیث کے موجودہ طریقہ کو ترک کر دیا جائے جس میں انتہائی کم مدت میں بہت سی کتبِ حدیث سے طالب علم کو گزار دیا جاتا ہے اور جو تھوڑی بہت تدریس ہوتی ہے وہ بھی محض فقہی مسلک کے نقطہ نظر سے۔ اس کی بجائے مطالعہ حدیث کو سارے تعلیمی عرصے پر پھیلایا جائے... منتخب متون کا گھرہ مطالعہ کرایا جائے۔ احادیث سے استنباط احکام کی مشق کروائی جائے اور علوم الحدیث جیسے مصطلحات، اسماءُ الرجال، جرح و تعدیل، روایت و درایت، تخریج، فتنہ انکارِ حدیث وغیرہ پر توجہ مرکوز کی جائے۔

(3) فقہ کی تدریس کا موجودہ طریقہ ختم کر کے پہلے اصول فقہ خصوصاً اصول استنباط کا مقابلی مطالعہ کروایا جائے پھر منتخب موضوعات پر ائمہ اربعہ، ظاہریہ اور اہل تشیع کی آراء کا مقابلی مطالعہ کروایا جائے۔ فقہ القرآن والسنہ پر توجہ دی جائے اور پاکستان میں راجح توانیں کے ساتھ مقارنہ پیش نظر رکھا جائے۔

(4) سیرت، کلام، مسلم تاریخ و جغرافیہ (بشمل مطالعہ پاکستان) اور تزکیہ نفس کا قدرے تفصیلی مطالعہ اور فلسفہ و منطق کا تعارفی مطالعہ بھی نصاب کا حصہ ہونا چاہیے۔

### ثانیاً... مغربی اور جدید علوم کا تعارفی مطالعہ

(1) سماجی علوم میں سے معاشیات، سیاست، قانون، تاریخ، جغرافیہ، نفسیات اور فلسفہ وغیرہ

(2) طبی علوم میں سے فزکس، کیمیئری، بیوالوچی، ریاضی اور کمپیوٹر وغیرہ

(3) اسلام اور مغربی تہذیب کے مقابلہ/تصادم سے پیدا ہونے والے مسائل کا تفصیلی مطالعہ بھی اس نصاب کا ایک جز ہونا چاہیے۔ نیز اس مطالعے میں صرف مغربی فکر اور علوم کا تعارف ہی مقصود نہیں بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے ان کا جائزہ اور تنقید بھی اس میں شامل ہونی چاہیے تاکہ طلبہ پر مغربی فکر کی کمزوری اور اس کے مقابلے میں اسلامی فکر کی برتری اور حقائقی دلائل سے واضح ہو جائے۔

یہ تعارفی مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ علام جس دنیا میں رہ رہے ہیں، اُسے سمجھ سکیں۔ نیز اس وقت اسلام اور اسلامی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ علمی و فکری

ہی نہیں، عملی مسئلہ، مغرب اور مغربی تہذیب کا علمی اور عملی تفوق ہے لہذا جب تک ہم چیلنج اور اس کی نوعیت کو نہیں سمجھیں گے اور اس کا دراک نہیں کریں گے، ہم اس چیلنج کا جواب کیسے دے سکیں گے اور اسلام کو موجودہ فضا میں قابل عمل کیسے ثابت کر سکیں گے اور اسے عملاً غالب کرنے کے لیے صحیح رخ میں جدوجہد کیسے کر سکیں گے...؟

ثالثاً... زبانیں

اس وقت کیفیت یہ ہے کہا کثر دینی مدارس میں انگریزی کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے، بلکہ اردو بھی نہیں پڑھائی جاتی۔ عربی زبان و ادب پر زور دیا جاتا ہے اور کسی حد تک فارسی بھی پڑھائی جاتی ہے۔ لیکن ان دونوں زبانوں کی تدریس اس طرح ہوتی ہے کہ صرف انہیں پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے لکھنے اور بولنے کی نہیں۔ طریق تدریس بھی وہی پرانا ہے یعنی طریقہ ترجمہ و گرامر جس میں گردانیں رہائی اور قواعد یاد کروائے جاتے ہیں۔ ہماری رائے میں زبانوں کے بارے میں صحیح پالیسی یہ ہے کہ

(الف) دینی مدارس کے طلبہ کو اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانیں تعلق کے ساتھ پڑھائی جانی چاہئیں اور فارسی کا تعارفی مطالعہ بھی کروانا چاہیے۔ اردو اس لیے کہ یہ پاکستان کی قومی زبان اور عملاً ہمارے ہاں بول چال اور تقریر و تحریر کی زبان ہے۔ عربی اس لیے کہ ہماری امہات دینی کتب اسی زبان میں ہیں اور موجودہ عالم عرب سے ہمارے دین و دنیا کے بہت سے مفادات والبستہ ہیں۔ انگریزی اس لیے کہ یہ جدید علوم اور جدید دنیا کی کنجی ہے۔ فارسی کا تعارفی مطالعہ بر صغیر کی دینی اور ثقافتی تاریخ سے واقعیت کے لیے ضروری ہے۔

(ب) زمانہ تدریس: اگر بچے کو ایک سے زیادہ زبانیں سکھانی ہوں تو ہماری رائے میں اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسے مادری زبان اچھی طرح سکھا دی جائے تاکہ وہ اس زبان کی مہارتوں کی اساس پر دوسرا زبانیں سیکھ سکے۔ ہمارے ہاں یہ درجہ تقریباً اردو کو حاصل ہے، اس لیے اردو سکھانے سے ابتداء کرنی چاہیے اور کم از کم اس سے دو سال بعد عربی کی ابتداء کرنی چاہیے (لیکن اردو سکھانے کے لئے اگر ایسا استاد میسر نہ ہو جو اہل زبان ہو یا عربی پڑھے ہوئے ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ حروفِ تجھی اور ابتدائی قاعدہ پہلے عربی میں پڑھا دیا جائے اور پھر اردو پڑھانی شروع کی جائے کیونکہ ہمارے ہاں تلفظ اور مخارج کے بگاڑ کا مسئلہ بڑا گھمیٹ ہو چکا ہے۔ اور اس پر ابتداء ہی سے بھر پور توجہ دینے کی ضرورت ہے) انگریزی چار سال کے بعد شروع کی جائے اور پھر متوسط تک ان زبانوں کی تحصیل پر خوب محنت کی جائے کیونکہ مستقبل میں دیگر علوم میں مہارت کا انحصار بھی بچے کی ان زبانوں میں مہارت ہی پر ہوگا۔ بعد میں کم کم کمیت کے ساتھ زبانوں کی تدریس آفی جماعتوں میں جاری رہے گی۔ فارسی البتہ ثانوی میں ایک سال پڑھا کر چھوڑ دی جائے۔

(3) ذریعہ تدریس: ابتداء میں ذریعہ تدریس اردو ہی ہو گی، تا ہم عربی و انگریزی کی تدریس میں طریقہ ترجمہ و گرامر کے ساتھ طریقہ مباشر (عملی مشق) کو بھی اہمیت دی جانی چاہیے اور اس کے نتیجے میں طلبہ جلد ہی عربی کے پیریڈ میں عربی اور انگریزی کے پیریڈ میں انگریزی پر انحصار کرنا شرع کر دیں گے۔ اس طرح اگر پہلے نو سال عربی اور انگریزی کی تحصیل پر خوب محنت کر لی جائے تو طلبہ آسانی سے ثانوی جماعتوں میں دینی علوم عربی زبان میں اور جدید علوم انگریزی زبان میں سیکھنے پر قادر ہو جائیں گے۔

(4) زبانوں میں مہارت کے وسائل: ہمارے نزدیک مذکورہ تینوں زبانوں میں مہارت انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور تعلیمی ادارات کو اپنی ساری صلاحیتیں اس کے لیے وقف کر دینی چاہئیں۔ کوشش کرنی چاہئے کہ زبانیں پڑھانے والے اساتذہ اہل زبان ہوں۔ اس کے لیے مختبر اللہ (لنگوچ یہب) قائم ہو نی چاہیے، سمی و بصری آلات اور کمپیوٹر کو استعمال کرنا چاہیے۔ تینوں زبانوں کی الگ الگ بزم ادب ہواور تحریری و تقریری مقابلہ، مباحثہ و مذاکرے اور ہونہار طلبہ کے لیے انعامات ان کے مستقل پروگراموں کا حصہ ہوں تاکہ ان مہارتوں کی تکمیل ہو سکے۔

رابعاً... نصابی وحدت

جدید و قدیم کی یکجاںی کا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صحیح کے اوقات میں درسِ نظامی پڑھا دیا جائے اور شام میں کسی ریٹائرڈ یا پارٹ ٹائم لیکچر سے ایک دو جدید مضامین میں لیکچر ڈلوا دیئے جائیں۔ یہ شخص آشک شوئی ☆ ہے کیونکہ اس کا طالب علم کی شخصیت، اس کے فکری ڈھانچے اور اس کے طرز زندگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا، نہ ہی وہ سنجیدگی سے جدید علوم سے استفادہ کرپاتا ہے۔ اس مسئلے کا صحیح حل یہ ہے کہ نصابی وحدت کو پیش نظر رکھا جائے یعنی نصاب ایک ہی ہو اور اس نصاب کے اندر موزوں مرحلے پر موزوں کیفیت اور کمیت کے حامل جدید مضامین بھی اسلامی تناظر میں شامل کئے جائیں۔ نصابی وحدت کے موثر اور خوشنگوار اثرات ان شاء اللہ طالب علم کی شخصیت پر پڑیں گے۔

خامساً... مراحل مدت تعلیم

یہ ایک دلیل مسئلہ ہے۔ امریکہ، یورپ اور عرب ممالک میں ثانوی تعلیم ۱۲ سال کی ہوتی ہے۔ خود ہمارے ہاں بھی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد میں داخلہ کا معیا را یف اے ہے اور پروفیشنل کالج اور یونیورسٹیاں بھی (مثلاً میڈیکل اور انجینئرنگ وغیرہ) ایف ایس سی پاس طلبہ کو داخلہ دیتی ہیں اور پھر کم سے کم چار سال میں گریجویشن کرواتی ہیں اور مزید دو سال میں ایم اے یعنی کل ۱۸ سال میں ایم اے کروایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے پاکستانی طالب علم کو یورپ، امریکہ اور عرب دنیا وغیرہ میں ہر جگہ داخلہ لینے میں مشکل پیش آتی ہے۔ دوسری طرف دھی میں ایک تجربہ ہوا ہے جس میں سولہ سالہ گریجویشن کورس مخفی دس برسوں میں ختم کروایا جاتا ہے۔ اس طریقے میں سال کے بارہ مہینے صبح شام پڑھائی ہوتی ہے۔ اور بچے کی عمر کے چھ قسمی سال بچالیے جاتے ہیں۔

دینی مدارس میں اس وقت جو نظام رائج ہے، وہ یہ ہے کہ آٹھ سال تک تعلیم حاصل کئے ہوئے مذہل پاس طالب علم کو داخلہ دیا جاتا ہے (گو بعض اوقات مدارس، خصوصاً چھوٹے مدارس میں بکثرت، اس اصول کی پابندی نہیں کی جاتی) اور دو سال میں ثانیہ عامہ، اگلے دو سال میں ثانویہ خاصہ، اس سے اگلے دو سال میں 'عالیہ' اور آخری دو سالوں میں 'عالیہ' کی سند دی جاتی ہے۔ یہ آٹھ سالہ تعلیمی دورانیہ پاکستانی سکولوں کا جو میں مردوج میٹرک، ایف اے، بی اے اور ایم اے کے آٹھ سالہ تعلیمی دورانے کے مساوی ہے لہذا ہمارے خیال میں اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں بلکہ دینی مدارس عموماً اقسامی ہوتے ہیں، لہذا وہ سکولوں کا جوں کی نسبت زیادہ پڑھا سکنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں۔

نصاب کی بحث ختم کرنے اور نظام تعلیم کے دوسرے شعبوں کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ کچھ ایسے امور کا ذکر کر دیا جائے جو کسی نہ کسی صورت میں نصاب سے بھی مرتبط ہوتے ہیں، یعنی تزریکیہ و تربیت، تحقیق اور روزگار وغیرہ

## 1۔ تزریکیہ و تربیت

تزریکیہ و تربیت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے پیغمبر کے ذمے کام گنوائے تو تعلیم کتاب کے ساتھ تزریکیہ کا ذکر کیا (ابقرۃ: ۱۲۹) بلکہ تزریکیہ کا ذکر تعلیم کتاب سے پہلے بھی کیا اور بعد میں بھی، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اصل مقصود تزریکیہ ہی ہے اور تعلیم بھی اس کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔<sup>2</sup> چنانچہ حضور ﷺ کے طریق تعلیم سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مخفی تعلیم ہی نہیں بلکہ ساتھ تزریکیہ بھی کیا اور صحابہ کا طریقہ بھی یہی تھا کہ جتنا قرآن سمجھتے تھے، ساتھ اس پر عمل کی مشق بھی کرتے جاتے تھے۔ امام مالکؓ نے موطا میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے سورہ بقرہ آٹھ سال میں ختم کی (خطیب بغدادی کے بقول ۱۲ سال میں) اور اس خوشی میں اونٹ ذبح کر کے دعوت عام کی۔<sup>3</sup>

ظاہر ہے کہ حضرت عبد اللہ کو ۸ سال مخفی ڈھائی پارے پڑھنے میں نہیں لگے بلکہ اس پر تدبیر اور عمل میں اتنی مدت صرف ہوئی۔ بعد میں مسلم معاشرے میں جب تزریکیہ و تربیت کے ایک خصوصی ادارے 'التصوف' نے راہ پالی تو یہ طریقہ وجود میں آیا کہ طالب علم پہلے تعلیم حاصل کرتا تھا اور راس کے بعد تزریکیہ نفس کے لیے کسی دوسرے مرbi کے پاس جا بیٹھتا تھا۔ اب امت میں عمومی اخبطاط کے نتیجے میں تصوف کے نام پر نہ وہ صوفی رہے اور نہ وہ خانقاہیں اور ربانیوں جو کچھ باقی مچاہے وہ بعض رسم کا ایک بے روح ڈھانچہ ہے یا مخفی شکم پروری کے طریقے۔ لہذا تزریکیہ و تربیت کو مخفی اس اتفاق پر نہیں چھوڑا جا سکتا کہ اگر حسن اتفاق سے استاد ایسا ہو جو خود مزکی و مرbi ہو تو بات بن گئی ورنہ سراسر محرومی مقدر ٹھہری بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ تزریکیہ و تربیت کو باقاعدہ ایک مضمون اور فن کی طرح نصب تعلیم کا ایک حصہ بنایا جائے اور دوسرے مواد کی طرح اس کا بھی باقاعدہ امتحان اور اس میں فیل ہونے والے کو سارے مضامین میں فیل تصور کیا جائے۔ ہم نے اس مضمون کی طرف توجہ کی اور ڈیڑھ سو صفحے کا ایک کتابچہ اس موضوع پر مرتب کر کے شائع کر دیا ہے کہ تعلیمی ادارے میں طلبہ کی دینی تربیت کیسے کی جائے۔<sup>4</sup> مخفی یہ دکھانے کے لیے کہ ایسا نظام وضع کرنا ممکن ہے، ہم اس سے دو اقتباسات پیش کرتے ہیں:

"تعلیمی ادارے میں تربیتی نظام کا قیام"<sup>5</sup>

- 1۔ مدرسے میں ہر استاد کو خود کو مرbi سمجھنا چاہیے (خصوصاً صدر مدرس اور مقademہ کو) اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ اپنے آپ کو طلبہ کے سامنے ایک ماذل کے طور پر پیش کرے بلکہ اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ آگے بڑھ کر طلبہ کی تربیت کرے۔
- 2۔ اگر کسی وجہ سے سربراہ ادارہ خود اپنے آپ کو اس کام کے لیے موزوں نہ سمجھے تو اسے چاہیے کہ کسی موزوں استاد کو چیف مرbi کے طور پر مقرر کر دے جو سارے سکول کے طلبہ کی تربیت کے لیے ایک مکمل اور مربوط لائجہ عمل مرتب کرے۔
- 3۔ چیف مرbi کو چاہیے کہ اسائزہ میں سے ہر کلاس کا ایک مرbi مقرر کرے، بہتر ہو اگر ایسا استاد کلاس انچارج بھی ہو۔

4- مرتبی استاد کو تدریس کے علاوہ کم از کم بھتے میں ایک پیریڈ طلبہ کی تربیت کیلئے دیا جانا چاہیے۔

5- کلاس کے مرتبی استاد کو چاہیے کہ کلاس کے طلبہ میں سے کسی موزوں طالب علم کو 'مرتبی' یعنی طلبہ کے اخلاق و کردار کا نگران مقرر کرے۔

6- اگر تعیینی ادارہ رہائشی ہو تو ہوٹل کا ایک مرتبی ہونا چاہیے اور طلبہ میں سے ایک اس کا نائب ہو اور اگر ہوٹل کے کئی بلاک ہوں تو ضروری ہے کہ ہوٹل کے ہر بلاک میں ایک استاد مرتبی ہو جو طلبہ کے اخلاق و کردار کا ذمہ دار ہو۔ یہ استاد ہر ہوٹل بلاک میں طلبہ میں سے کسی ایک موزوں طالب علم کو مرتبی یعنی طلبہ کے اخلاق و کردار کا ذمہ دار بنادے۔

7- چیف مرتبی اور مرتبی استانڈ پر مشتمل ہر سکول میں ایک تربیتی کونسل ہونی چاہیے جو اپنے اجلاس باقاعدگی سے ہر ماہ منعقد کرے اور تربیت کے مسائل پر غور و فکر کرے۔

8- ہر سکول میں طلبہ کی تربیت کی جانچ (Evaluation) اور تربیت کے نگران استانڈ کی چینگ کاموثر انتظام ہونا چاہیے۔

"تربیت کی جانچ (امتحان) کا نظام" <sup>6</sup>

جس طرح تعلیم میں طالب علم کی لیاقت جانبی کے لیے امتحانوں کا ایک باقاعدہ نظام موجود ہے جس سے پہلے چل جاتا ہے کہ کون سا طالب علم کتنا سیکھ رہا ہے اور ان امتحانوں ہی کی وجہ سے طلبہ اور استانڈ کو خصوصی تیاری کا موقع ملتا ہے۔ اسی طرح تربیت کے کام کی جانچ کا بھی ایک نظام ہونا چاہیے... ہم اس کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات تجویز کرتے ہیں:

(1) تربیتی گراف کا طریقہ اپنائیے جس کی تفصیل یہ ہے :

1 . ہر مرتبی کلاس ٹیکسٹ اپنی کلاس کا ایک تربیتی گراف بنائے جس میں طلبہ کے نام موجود ہوں۔

ب. اچھی کارکردگی کی صورت میں اضافی نمبر دیئے جائیں اور کمزوری دکھانے کی صورت میں نمبر منہما کر دیئے جائیں مثلاً اگر بنیادی نمبر ۱۰۰ ہوں تو جو طالب علم باقاعدگی سے نماز پڑھے، اسے ۲ نمبر دیئے جائیں اس طرح اس کے نمبر ۱۰۲ ہو جائیں گے اور جو طالب علم نماز نہ پڑھے تو اس کے ۲ نمبر منہما کر دیئے جائیں یعنی اس کے ۹۸ نمبر ہو جائیں۔ اس طرح مختلف کمزوریوں مثلاً جھوٹ بولنا، گالی دینا، جھگڑا کرنا، تاخیر سے سکول آنا اور وقت کی پابندی نہ کرنا وغیرہ ان میں سے ہر ایک کے دو نمبر ہوں اور ان کے ارتکاب پر اتنے نمبر کاٹ لئے جائیں اور اس کے بر عکس اخلاقی حسنے کے بھی نمبر ہوں جو اس کے گراف میں جمع کر دیئے جائیں۔ اس طرح ہر طالب علم کو معلوم ہوتا رہے گا کہ اس کی اخلاقی حالت کیسی ہے؟

ج. ایسا تربیتی گراف نمایاں طور پر ہر کلاس میں آؤیزاں ہوتا کہ طلبہ اپنے نمبروں کی کمی بیشی سے آگاہ رہیں، جن کے نمبر کم ہو جائیں وہ اپنی اخلاقی کمزوری دور کر کے اپنے کم شدہ نمبر بڑھانے کی کوشش کریں اور جن کے نمبر زیادہ ہوں، وہ انہیں مزید بڑھانے کے لیے کوشش ہوں۔ اس گراف میں جس طالب علم کے نمبر ایک مقررہ حد سے کم ہو جائیں، اسے تربیت کے پرچے میں فیل گردانا جائے اور اگلی کلاس میں نہ بھیجا جائے۔ جس لڑکے کے نمبر سب سے بڑھ جائیں، اُسے حوصلہ افرانی کا انعام دیا جائے یا سکول کا مثالی لڑکا قرار دیا جائے۔

د. اس طرح کا گراف ہر طالب علم کی پرنسپل فائل میں بھی موجود ہو اور کلاس روم میں درج ہونے والی معلومات وہاں بھی ریکارڈ کی جائیں۔ تاکہ بوقت ضرورت کام آئے مثلاً بچے کے والدین کو دکھانے کے لیے یا فائل دیکھتے ہوئے بچے کی اخلاقی حالت کا اعادہ کرنے کے لیے۔

(2) تربیتی گراف کو سامنے رکھتے ہوئے طلبہ کا سالانہ امتحان بھی لیا جائے اور اس کے باقاعدہ نمبر ہوں جو طالب علم کے فیل یا پاس ہونے پر اثر انداز ہوں۔ ایک طالب علم اگر تربیت میں فیل ہو تو اسے سارے مضامین میں فیل تصور کیا جائے اور اگلی کلاس میں ترقی نہ دی جائے۔

(3) مرتبی استانڈ کا احتساب اور چینگ بھی ہونی چاہیے تاکہ اگر ان کو مدد اور رہنمائی کی ضرورت ہو تو وہ بوقت مہیا کر دی جائے۔ اس غرض کے لیے چیف مرتبی یا مفہوم کو چاہیے کہ وہ تربیت کے انچارج استانڈ سے ان کی کارکردگی بدلسلہ تربیت طلبہ کی ماہانہ رپورٹ طلب کرے اور مسائل و مشکلات میں ان کو ضروری مشورے دے۔ اگر کافی تعداد میں طلبہ تربیت میں کمزور ہیں تو استاد کی پرش ہونی چاہیے اور اسے تنبیہ کی جانی چاہیے بلکہ اس کی سالانہ کارکردگی کی رپورٹ میں بھی اس کا اندراج ہونا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ دینی مدارس کے محتفہ میں اور منظہمیں کو اس امر کی فکر کرنی چاہیے کہ ان کی ذمہ داری محض دینی تعلیم دینا نہیں بلکہ اخلاق و آداب سمیت کامل دینی شخصیت کی آبیاری کرنا ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو عند اللہ مسؤول ہوں گے۔

آج کل کی جدید تعلیم میں ایم اے (عالیہ) ہی سے تحقیق کا آغاز ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ساری تعلیم (ایم فل، پی ایچ ڈی وغیرہ) تحقیق پر ہی مبنی ہوتی ہے۔ دینی مدارس میں تحقیق کو عموماً اہمیت نہیں دی جاتی۔ طالب علم دورہ حدیث کر کے فارغ ہو جاتا ہے مگر اسے تحقیقی اصولوں کا پتہ ہوتا ہے اور نہ اُسے تحقیق کی کوئی عملی مشق ہی کروائی جاتی ہے۔ بعض بڑے دینی مدارس میں تخصص کا ذکر سننے میں آتا ہے لیکن وہ بھی عموماً روایتی انداز میں، لہذا اس امر کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ تحقیق کو باقاعدہ داخل نصاب کیا جائے۔ ہر استاد چھوٹے چھوٹے مقالے لکھوا کر طلبہ کو تحقیق کی مشق کروائے۔ آخری سال کے شروع میں ہر طالب علم اپنے موضوع تحقیق کی تحریک (رجسٹریشن) کروائے اور جب تک وہ تحقیقی مقالہ استاذ کی تسلی کے مطابق مکمل نہ کرے، اُسے سند جاری نہ کی جائے۔ اس کے بعد تخصص کو رواج دیا جائے اور ایم فل اور پی ایچ ڈی کی طرح ریسرچ ڈگریوں کو رواج دیا جائے۔ ظاہر ہے اس وقت جو نصاب مردوج ہے، اس میں رہتے ہوئے یہ گنجائش نہیں نکالی جا سکتی، البتہ ہماری تجاویز کے مطابق اگر نصاب کے سارے ڈھانچے پر آز سر نوغرور کیا جائے تو تحقیق کو جزو نصاب بنایا جا سکتا ہے۔

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ تحقیق کو جز بنا نا غیروں کی تقسیم ہے بلکہ ہمارے آسلاف نے تحقیق کا جو معیار قائم کیا ہے اور جس طرح عمریں تحقیق و تالیف میں صرف کی ہیں، وہ ہمارے لیے ایک قبل فخر نمونہ ہے۔ لہذا تحقیق کو جزو نصاب بنانا، طلبہ میں علمی و تحقیقی ذوق پر وان چڑھانا اور اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کرنا اپنے آسلاف کی علمی روایت کو زندہ کرنے کے مترادف ہے۔ بلکہ اس میں کوتاہی کرنا دوں ہمتی ہے اور آج کے ترقی یافتہ دور میں انکو بننے کے مترادف ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ تحقیق محض اپنے مسلک کو سچا ثابت کرنے کے لیے دلائل جمع کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ تحقیق سے مراد تلاش حق ہونا چاہیے اور اس کے لیے پہلازینہ معروضیت اور غیر جانبداری کا ہے کہ کھلے دل ودماغ کے ساتھ علم کا دامن تھاما جائی۔ اس کے لیے مناسب ہو گا کہ شروع میں ایسے تحقیقی مقالات لکھوائے جائیں جن میں مقاشرہ (قابلی مطالعہ) کا اہتمام ہو، تاکہ اختلافی معاملات میں دوسروں کے نقطہ نظر کو سمجھنے اور روزن دینے کا رجحان پیدا ہو۔

ایک اندازے کے مطابق دنیا میں اس وقت جتنی تحقیق ہو رہی ہے، مسلم دنیا کا اس میں حصہ دس فیصد سے بھی کم ہے۔ مغرب صرف تحقیق کے بل پر تنفس کائنات (سائنس اور ٹکنالوژی) میں ہم سے آگے نکل گیا ہے۔ ہم بحثیت امت جب تحقیق میں آگے تھے تو اس دنیا پر ہمارا سکھ چلتا تھا۔ آج ہم تحقیق میں پیچھے رہ گئے ہیں تو ہر لحاظ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ خود اسلامی علوم میں تحقیق کے سلسلے میں مغرب میں جو کام ہوا ہے اور ہورہا ہے، ہمارے علماء اگر انگریزی پڑھیں تو انہیں احساس ہو کہ ہمارے دامن میں شرمندگی کے سوا کچھ نہیں۔

### 3۔ روزگار

اس وقت ہمارے دینی مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ روزگار ہے اور وہ ہے اپنے مسلک کے مدارس و مساجد میں ملازمت۔ ظاہر ہے یہ موقع محدود ہوتے ہیں۔ اس لیے سب لوگ اس میں نہیں کھپ سکتے ہیں۔ یہ چیز نہ صرف بے روزگاری کو جنم دے رہی ہے بلکہ اس سے بعض دیگر مفاسد بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ مثلاً دوسری مسالک کی مساجد پر قبضہ جو بعض اوقات نقض امن پر منتج ہوتا ہے یا بغیر ضرورت کے محض روزگار کے لیے نئی مساجد اور مدارس کا قیام (حقیقت یہ ہے کہ اس امر پر ایک تحقیقی سروے کی شدید ضرورت ہے کہ ہماری آبادی کو اس وقت کتنے مدارس و مساجد کی ضرورت ہے۔ ان مدارس سے کتنے طلبہ سالانہ فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور ان کا ذریعہ روزگار کیا ہے؟... وغیرہ)

روزگار کے موقع پیدا کرنا یا ان کی پلانگ کرنا بینادی طور پر ہماری حکومت کا کام ہے لیکن اگر حکومت کی مدد کے بغیر دینی مدارس کا اتنا بڑا نیت درک چل رہا ہے تو انہیں اپنے طلبہ کے روزگار کے مسئلے پر حکومتی مدد کے علی الرغم بھی غور کرنا چاہیے۔

اس سلسلے میں ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ دینی مدارس کے منتظمین اپنے طلبہ کو جدید تعلیم اور پیشہ وارانہ تعلیم نہ دیتے کے حق میں اس لیے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح یہ طلبہ مجبور ہو کر مساجد و مدارس کو آباد رکھیں گے ورنہ وہ کہیں اور ملازمت کر لیں گے جہاں انہیں زیادہ تنخواہ ملے گی اور مساجد و مدارس دیران ہو جائیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ خدشہ بے جا ہے کیونکہ اس وقت جتنے طلبہ ان مدارس سے فارغ ہو رہے ہیں، ان کے لیے ملازمتیں موجود نہیں ہیں۔ ہماری رائے میں دینی مدارس کے طلبہ کے روزگار کی پلانگ کے لیے مندرجہ ذیل نکات پر غور ہونا چاہیے:

- 1۔ حکومت پاکستان ان مدارس کی ڈگریوں کو درجہ بدرجہ تسلیم کر کے یعنی ثانویہ عامہ میٹرک کے برابر، ثانویہ خاصہ ایف اے کے، عالیہ بی اے کے اور عالمیہ ایم اے کے برابر قرار دی جائے۔ تاکہ ان طلبہ کے لیے جدید تعلیم اور پرائیوریٹ وپبلک سیکلر میں روزگار کے دروازے کھل سکیں۔ اسی طرح عالمیکے بعد ایم فل اور پی ایچ ڈی کرنے کی بھی اجازت ہوئی چاہیے۔ جزو ضماء الحق کے زمانے میں اس سلسلے میں کچھ پیش رفت ہوئی تھی لیکن بعد میں

معاملہ سست پڑ گیا۔ اب حال ہی میں جاری ہونے والی تعلیمی پالیسی میں میٹر ک اور ایف اے میں درسِ نظامی گروپ متعارف کروایا گیا ہے اور رعلامہ اقبال اپنے یونیورسٹی اسلام آباد نے بھی درسِ نظامی کے مضامین میں ڈگریاں دینے کا آغاز کر دیا ہے لہذا امید کی جانی چاہیے کہ مستقبل قریب میں دینی مدارس کے نظام تعلیم اور حکومتی نظام تعلیم کے درمیان حائل فرق بذریعہ کم ہوتا جائے گا۔

2۔ ہماری تجویز کے مطابق اگر دینی مدارس عربی کے ساتھ اپنے طلبہ میں انگریزی اور اردو میں بھی مہارت پیدا کر دیں اور انہیں جدید علوم کا تعارفی مطالعہ بھی کروا دیں تو ہمارے خیال میں وہ معاشرے میں بہت سے میدانوں میں اپنی راہ خود بنالیں گے۔

3۔ جس نصاب کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، وہ سولہ سال میں اسلامی علوم میں ایم اے (عالیہ) تک اردو، عربی اور انگریزی زبانیں بھی پڑھائی جائیں گی گویا پاکستانی یونیورسٹیوں میں اس وقت مررُوج قاعدے کے مطابق بھی وہ ان تین مضامین میں ایم اے کرنے کے حق دار ہیں، ہماری تجویز یہ ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ کو ان تین زبانوں میں بی اے (عالیہ) کرنے کے بعد تین سالوں میں اس طرح ایم اے کروا دیا جائے کہ ان تینوں میں سے کوئی ایک زبان ان کا اصل تخصص (Major) ہو اور علوم اسلامی ضمنی تخصص (Minor)۔ اس طرح وہ سولہ کی بجائے سترہ سالوں میں ان زبانوں میں سے کسی ایک میں بھی کر لیں گے اور ساتھ ہی ثقہ دینی عالم بھی ہوں گے اور ان کے لیے روزگار کے زیادہ موقع بھی پیدا ہو جائیں گے۔

4۔ بعض پیشہ ورانہ امور میں تربیت دینی تعلیم کے ساتھ بھی اس طرح دی جاسکتی ہے کہ طلبہ فارغ التحصیل ہونے تک اس شعبے میں مہارت بھی حاصل کر لیں خصوصاً اس سہولت کی وجہ سے کہ طلبہ کی رہائش بھی انہی مدارس میں ہوتی ہے، مثلاً مختلف کمپیوٹر کورسز (Computer Languages), Maintenance, اور کمپوزنگ وغیرہ) بھلی کا کام، فرتیج، ٹی وی وغیرہ کی مرمت، گاڑیوں کی مرمت، ٹائپ، شارٹ ہینڈ، دفتری امور، ابتدائی حسابات، تدریسی مہارت (سی ٹی، بی ایڈ کی طرز پر) چھوٹے موٹے بنس وغیرہ۔

بڑے شہروں میں دینی مدارس انصڑی کے ساتھ رابطہ کر کے گریبوں کی چھبوتوں میں یا شام کی شفت میں طلبہ کو اضافی کام دلوا سکتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلے خود دینی مدارس یہ فیصلہ کریں کہ وہ اپنے طلبہ کے لیے مسلک کے مدارس و مساجد کے باہر ریزق کے دروازے کھولنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمارے خیال میں اس طرح کے موقع پیدا ہونے سے دینی کاز کو ان شاء اللہ نقصان نہیں پہنچے گا۔ جیسا کہ ماضی میں دیوبند میں طب، جلد سازی اور خطاطی وغیرہ کے شعبے قائم کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔

### تغیر نصاب اور رعلاماء کی مخالفت

نصاب اور اس کے متعلقات کے حوالے سے ایک بنیادی بات پر غور کر لیں اور یہ کہ ہمارے علماء کرام آخر کیوں درسِ نظامی پر نظر ثانی کرنے اور عصری ضرورتوں کے مطابق اس میں تبدیلیاں لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے...؟

اس کی وجہ بعض لوگ تو یہ بتاتے ہیں کہ اس سے علماء کی اجادہ داری خطرے میں پڑ جائے گی، یہ ان کے رزق کا مسئلہ ہے، مدرسے دینی اور دینی+سیاسی جماعتوں کے لیے قوت کا مرکز ہیں، وہ ان پر سے اپنی گرفت ڈھیلی کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں وغیرہ، وغیرہ۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کا بڑا سبب اقبال کے لفظوں میں یہ ہے کہ

آئینِ نو سے ڈرنا، طریز کہن پا اڑنا  
منزل بھی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

علماء اگر وسعت اور بلند نگاہی سے کام لیں تو یہ کوئی ایسا بھاری پتھر بھی نہیں جسے اٹھایا نہ جاسکے۔ اور کوئی ایسی ضرورت نہیں کہ علماء کے خلوص پر لازماً شک و شبہ کا اظہار ہی کیا جائی۔ ہم صرف ان کی تذکیر (یادداہی) کے لیے عرض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہاں ماضی میں کبھی نصابِ تعلیم جامد نہیں رہا بلکہ یہ ہمیشہ بدلتا رہا ہے اور عصری ضرورتوں کے مطابق بہت سے معاون علوم بھی دینی نصابِ تعلیم کا حصہ رہے ہیں۔ نیز طریقہ تدریسِ تعلیم بھی بدلتا رہا ہے۔ یہ مقدمات جو ہم نے قائم کئے ہیں، ہم چاہیں گے کہ ان پر کچھ مزید روشنی ڈالیں:

نصابِ تعلیم میں تنوع اور تغیر پذیری... چند تاریخی نظائر

عہدِ رسالت وصحابہ میں دینی نصابِ تعلیم کا ایک ہی باقاعدہ مضمون تھا اور وہ تھا قرآن حکیم یا حضرت عمر فاروق کی والدین کو یہ ہدایت سامنے آتی ہے کہ

"اپنے بچوں کو تیراں، شہسواری، مشہور ضرب الامثال اور ایچھے اشعار سکھاؤ۔" 7

حضرت عمر بن عبد العزیز (م ۵۸ھ) نے حدیث اور مغازی کے درس کا حکم دیا۔<sup>8</sup> دوسری صدی میں موطاً کی تالیف سے تدوین حدیث کا کام شروع ہوا تو درسِ حدیث نے محکم صورت اختیار کر لی۔ اسی طرح جب فتح کی تدوین شروع ہوئی تو مساجد و مدارس میں اس کی تعلیم بھی شروع ہو گئی۔ چوتھی صدی ہجری میں تصوف بطور ایک ادارہ کے اجرا اور اس پر کتابیں لکھی جانے لگیں تو وہ کتب بھی نصاب کا حصہ بن گئیں۔ قرآن و حدیث، ان سے متفرع علوم اور فتح تو خالص دینی علوم اور عربی زبان و ادب اور تاریخ و جغرافیہ، مسلمانوں کی اپنی داخلی فکری حرکت کا نتیجہ تھے لیکن جلدی مسلمانوں نے یونانی اثرات کے تحت سماجی علوم میں منطق، فلسفہ، علم النفس، علم الکلام اور زبانوں میں یونانی، عبرانی، ترکی، فارسی، وغیرہ پڑھنی پڑھانی شروع کر دیں۔ اسی طرح سائنسی علوم میں طب (میڈیکل)، ہندسه (نجیٹرنگ)، ریاضی، ہدایت و فلکیات (اسٹراؤنومی)، اور کیمیا (کیمیٹری) وغیرہ مسلمان معاشرے میں علم پڑھنے پڑھانے جانے لگے۔ یہ علوم دینی مدارس اور مساجد میں پڑھائے جاتے تھے اور دینی و دینی علوم یا خالص دینی اور عصری علوم میں کوئی فرق و احتیاز نہ بردا جاتا تھا۔<sup>9</sup>

دور کیوں جائے... خود مسلم ہندوستان کی نصابی تاریخ پر ایک نظر ڈال لیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ خالص دینی علوم کے ساتھ وہاں معاون علوم کے طور پر دیگر سماجی و سائنسی علوم بھی پڑھائے جاتے تھے اور ان کی ترجیحات میں بھی رُذوبال ہوتا رہتا تھا مثلاً چودھویں سے سو لہویں عیسوی کے وسط تک دینی مدارس میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، کلام، تصوف کے ساتھ ساتھ صرف، نحو، معانی اور منطق بھی پڑھائی جاتی تھی۔ اس زمانے میں زور فقہ، اصول فقہ پر تھا اور تدریس حدیث کی اہمیت قدرے کم تھی۔<sup>10</sup>

مولہوں صدی کے وسط میں او ر سنکندر لوڈھی کے زمانے میں مولانا عبد اللہ اور عزیز اللہ نے فقه اور اصول کی کمیت کم کر کے منطق و فلسفہ کی کتب میں اضافہ کر دیا۔ اسی طرح علامہ تقیازانی کے شاگردوں نے علم بلاغت اور کلام میں نئی کتب مروج کرائیں، لیکن شیخ عبد الحق محدث دہلوی<sup>۱۱</sup> اور ان کی اولاد کو شش کے باوجود فن حدیث کو راجح نہ کر سکی۔

اس کے بعد دورِ اکبری میں شاہ فتح اللہ شیرازی ہندوستان آئے تو انہوں نے نصاب میں مزید تبدیلیاں کیں۔ ان کے مرتب کردہ نصاب کی جو تفصیل شاہ ولی اللہ<sup>۱۲</sup> نے دی ہے، اس میں تفسیر، حدیث، فقہ و اصول فقہ، تصوف اور کلام کے علاوہ نحو، منطق، بلاغت، فلسفہ، ہدایت، حساب اور طب بھی شامل ہیں۔ ظاہر ہے اس فہرست میں دینی علوم کے علاوہ تقریباً اتنے ہی مضامین معاون اور عصری علوم کے ہیں جن میں سماجی اور سائنسی علوم دونوں شامل ہیں۔ اسی زمانے میں فارسی کو سرکاری زبان قرار دیا گیا اور سنکریت کی تدریس بھی شروع ہو گئی اور یقول شبلی، موسیقی بھی درسگاہوں میں پڑھائی جاتی تھی۔<sup>11</sup> شاہ ولی اللہ (م ۷۶۲ء) نے علم حدیث کو مروج کرنے کی کوشش کی اور معقولات پر مزید زور دیا۔<sup>12</sup>

ملا نظام الدین (۷۳۷ء) نے جو نصاب بنایا، جو آج درسِ نظامی کے نام سے مشہور ہے، اس میں تفسیر، حدیث، فقہ و اصول فقہ، کلام کے علاوہ صرف و نحو، بلاغت، منطق، فلسفہ اور ریاضی شامل تھے۔ اس نصاب میں قرآن و حدیث کا حصہ بہت تھوڑا تھا۔ سیرت، تصوف، معاشرتی علوم وغیرہ موجود نہ تھے اور معقولات پر زور تھا۔ تا ہم اس میں بھی تبدیلیوں کا عمل جاری رہا۔ ملا نظام الدین کی وفات کے بعد اس میں مناظرہ، اصول حدیث، ادب اور فرانس کے مضامین کا اضافہ کیا گیا۔

جب ۱۸۷۶ء میں دیوبند قائم ہوا تو وہاں بھی درسِ نظامی ہی راجح ہوا لیکن مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید گنگوہی نے دیوبند میں راجح درسِ نظامی کو مختصر کرنے کا فیصلہ کیا اور فارسی کے علاوہ منطق و فلسفہ کی پرانی کتابیں نصاب سے خارج کر دیں۔ اور مدت تدریس دس کی بجائے چھ سال کر دی، تا کہ طلبہ درسگاہ سے جلد فارغ ہو کر جدید تعلیم بھی حاصل کریں، مولانا کے الفاظ یہ تھے

"اس کے بعد (مدرسہ میں دینی تعلیم کے بعد) اگر طلبہ مدرسہ ہذا، مدارس سرکاری میں جا کر علوم جدیدہ حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ موثر ہو گی۔"

اور مولانا گنگوہی نے اس موقع پر کہا تھا :

"اس منطق و فلسفہ سے تو انگریزی بہتر ہے کہ اس سے دنیا کی بہتری کی تو امید ہے۔"

لیکن روایتی علماء کے احتجاج پر انہیں پرانا نظام بحال کرنا پڑا۔<sup>13</sup> شبلی،<sup>14</sup> اور مولانا ابوالکلام آزاد<sup>15</sup> کے علاوہ خود حلقة دیوبند کے اپنے لوگوں میں سے مولانا مناظر احسن گیلانی،<sup>16</sup> مولانا سعید احمد اکبر آبادی،<sup>17</sup> قاضی زین العابدین سجاد<sup>18</sup> اور دوسرے بہت سے علماء درسِ نظامی کے موجودہ نصاب پر علی الاعلان تنقید کرتے رہے ہیں۔ بلکہ مولانا عبد اللہ سندھی (م ۱۹۲۵ء) نے تو دہلی میں باقاعدہ ایک ادارہ نظارة المعارف کی بنیاد رکھی تا کہ دیوبند اور علی گڑھ کے

خود دار العلوم نے ۱۹۲۸ء میں اعلان کیا تھا کہ فلسفہ کی جدید کتابوں کو داخل درس کیا جائے گا لیکن اس پر عمل نہ ہو سکا۔<sup>20</sup> مولانا حسین احمد مدنی کے آخری زمانے میں پھر نصاب پر نظر ثانی کی تحریک شروع ہوئی اور دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے باضابطہ ایک کمیٹی کی تشکیل اس مقصد کے لیے کی جس نے نصاب میں کئی ترمیمات تجویز کیں اور قدیم علوم عقلیہ کو کم کر کے انگریزی اور علوم جدیدہ کو اس میں شامل کرنے کی سفارش کی مگر بعض وجوہ سے اس کمیٹی کی سفارشات پر عمل نہ ہو سکا<sup>21</sup> ہم اس کی ضرورت برابر محسوس کی جاتی رہی<sup>22</sup>... پاکستان بننے کے بعد درس نظامی میں معمولی تبدیلیاں ہوئی ہیں چنانچہ دینی تعلیم کے موجودہ واقعوں کے نصاب پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ معقولات پر زور کم ہوا ہے اور قرآن حکیم کے مکمل ترجمے کو شامل نصاب کر لیا گیا ہے۔<sup>23</sup>

وقت اور حالات کے بدلنے کے ساتھ نصاب کے بارے میں ہمارے اہل علم و فکر کی رائے کس طرح بدلتی ہے، ہم اس کی ایک دو مثالیں مزید دے کر اب بحث کو ختم کرتے ہیں:

علم ہندسے کے بارے میں ابن خلدون نے کہا ہے کہ اس سے انسانی صلاحیتوں کو جلا اور اس کے جذبہ صدق و صفا کو استحکام ملتا ہے۔<sup>24</sup> اس کے برعکس اس علم کے بارے میں حضرت مجدد آلفِ ثانی کی رائے یہ ہے کہ علم ہندسہ بیکار اور مہمل علم ہے۔<sup>25</sup> ... فقہ صدیوں سے مسلم معاشرے میں اسلامی علوم کا ایک ستون ہے لیکن امام غزالی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ کہ یہ علم مصالح دنیا ہے۔<sup>26</sup> ... تصوف کی کتابیں بھی صدیوں ہمارے مدارس میں پڑھائی جاتی رہی ہیں لیکن ہندوستان کے عظیم درویش صفت حکمران عالمگیر نے مجدد صاحب کے خطوط پڑھنے پر پابندی لگا دی<sup>27</sup> اور صوفی محب اللہ کی کتاب تسویہ کو جلانے کا حکم دیا تھا یہاں تک کہ دیوبند میں مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا حسین احمد مدنی جیسے صوفیوں کی موجودگی کے باوجود کتب تصوف کو دیوبند کی درسیات میں جگہ نہ مل سکی۔

### طریقہ تعلیم و تدریس میں تغیر و تبدل

صدر اول میں تعلیم مسجد میں اور زبانی ہوتی تھی۔ استاد درس دیتا تھا اور یاد کرنے والی نصوص خصوصاً احادیث کو تین دفعہ دہراتا تھا تاکہ طلبہ کو یاد ہو جائیں۔ اس غرض کے لیے ایک مُعید (دہرانے والا) بھی ہوتا تھا جو استاد کی مدد کرتا تھا۔ لکھنے کی سہولت جب عام ہوئی تو یہ طریق تلقین، طریق املا میں بدل گیا۔ اب طلبہ استاد کے لیکچر کے نوٹس لے لیتے تھے اور یہ نوٹس بعض اوقات کتابی صورت میں جمع کر دیئے جاتے تھے۔ (ابو علی کامل اور سید مرتضی کے آمائلی، دراصل ان کے دروس اور لیکچر ہی ہیں) عرصے تک یہ سلسلہ چلتا رہا پھر جب طالب علموں کے لیے کتابوں کا حصول عام ہو گیا تو تدریس کتابی صورت اختیار کر گئی۔ اب استاد لیکچر کی بجائے کتاب پر اعتماد کرتا۔ طالب علم کتاب پڑھتا جاتا اور استاد مشکل مقامات کی شرح کرتا جاتا یا طلبہ کے سوالات کا جواب دے کر مسائل واضح کر دیتا۔ پھر ایک زمانے میں جب ان کتابوں پر حاشیے اور شرحیں لکھی جانے لگیں تو اس کے لیے شرحیں اور حوشی پڑھنے لگے اور اصل کتابیں پس منظر میں رہ گئیں۔

ابتدائی تعلیم مساجد یا ابتدائی مکاتب میں جنہیں کتاب کہا جاتا تھا، وہی جاتی تھی۔ یہاں قرآن حکیم اور لکھنے پڑھنے کی ابتدائی مهارتیں سکھائی جاتی تھیں۔ اساتذہ زیادہ پڑھنے لکھنے نہیں ہوتے تھے اور طلبہ کو مار بھی پڑتی تھی۔ ابن خلدون نے اپنے مشہور زمانہ مقدمہ کی ایک فصل میں قرآن کے طرق تدریس پر بحث کی ہے کہ عالم اسلام میں عموماً بچے کو قرآن چھوٹی عمر میں پڑھا اور رثا دیا جاتا ہے جب کہ اسے کچھ سمجھ نہیں ہوتی لیکن مغربِ عربی خصوصاً اندرس میں یہ طریقہ رائج ہے کہ بچے کو پہلے زبان پڑھائی جاتی ہے اور جب وہ زبان کی باریکیوں کو سمجھنے لگتا تو پھر اسے قرآن پڑھایا جاتا ہے تاکہ وہ اسے اچھی طرح سمجھ کر پڑھے۔ ابن خلدون نے قاضی ابن اعرابی کی کتاب الرحلۃ کے حوالے سے قاضی صاحب کے موخر الذکر طریقہ کو رائج سمجھنے کے راجح کو خود بھی پسند کیا ہے بشرطیکہ اس امر کا یقین ہو کہ بچہ تعلیم جاری رکھے گا۔ ورنہ والدین اس ڈر سے کہ بڑا ہو کر بچہ نہ معلوم، تعلیم جاری رکھے تو کم از کم قرآن تو پڑھا ہوا ہو کیونکہ والدین اپنے بچوں کو قرآن کی تعلیم دینا اپنی اخلاقی و دینی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔<sup>28</sup>

مختصر یہ ہے کہ ہمارے کہنے کا مدعایہ ہے کہ طرق تدریس کوئی جامد اور مقدس چیز نہیں۔ یہ زمانے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے اور اسے آج بھی بدلا جا سکتا ہے۔ دنیا میں ثانوی زبان سیکھنے پر پچھلی ایک دو صدیوں میں بہت سے تجربات ہوئے ہیں، لہذا ان سے استفادہ کرنے میں کوئی عیب نہیں مثلاً عربی سیکھنے میں طریق مباشر(Direct Method) سے کام لینا یا جدید آلات مثلاً **مختبر اللغو** اور دیگر سمعی و بصری آلات اور کمپیوٹر وغیرہ کا استعمال کرنا یا

امتحان میں سمسٹر سسٹم (عرصہ تدریس کو مختصر مراحل میں تقسیم کر کے تین چار ماہ بعد امتحان لے لینا) اور معروضی سوالات کو رواج دینا تاکہ طلبہ کی سال بھر کی محنت کے نتائج کا انحصار صرف تین گھنٹے کے پرچہ پر نہ ہو جو درحقیقت صرف حافظے کا امتحان ہوتا ہے اور جس میں دوسری صلاحیتیں ذب کر رہ جاتی ہیں۔

### اساتذہ

اساتذہ کسی بھی تعلیمی ادارے کی جانب ہوتے ہیں۔ نصاب اگر ناقص بھی ہو تو ایک اچھا استاد اس کی کمی پوری کر سکتا ہے لیکن اگر استاد نالائق ہو تو اچھا نصاب بھی اس کے لیے بیکار محسوس ہے۔ استاد کی یہ اہمیت اس وجہ سے ہے کہ طلبہ، شعوری اور غیر شعوری طور پر، استاد کو ماؤل سمجھتے ہیں اور اپنی زندگی میں استاد کی شخصیت اس کے کردار، عادات اور روپوں کی نقل کرتے ہیں۔ المذا جس طرح کا استاد ہو گا اسی طرح کے شاگرد ہوں گے۔ استاد کی اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ استاد کو اہمیت دی جائے جس کے لیے مندرجہ ذیل امور ناگزیر ہیں :

(1) دینی مدارس کے اساتذہ کی ٹریننگ کا انتظام ہونا چاہیے یعنی جو فارغ التحصیل طالب علم استاد بننا چاہے، اس کے لیے لازمی ہو کہ وہ پہلے تربیت اساتذہ کا کورس مکمل کرے جس کا دورانیہ کم سے کم ایک سال ہو جس میں نہ صرف تعلیم و تربیت کے اصول اور منہاج طلبہ کو سکھائے جائیں بلکہ تدریس کی عملی مشق بھی کروائی جائے۔ اسی طرح اس ٹریننگ میں نہ صرف تدریس کے فنی پہلوؤں پر توجہ دی جائے بلکہ زیر تربیت اساتذہ کی نظریاتی تربیت بھی کی جائے تاکہ نہ صرف ان کے اپنے اندر ایک مثالی مسلمان بننے کا داعیہ پیدا ہو بلکہ اپنے طلبہ کو مثالی مسلمان بنانے کا جذبہ بھی ان کے اندر خوب انجینت ہو اور اس کے منہاج اور حکمتِ عملی سے بھی وہ بخوبی واقف ہوں۔

(2) جو اساتذہ اس وقت دینی مدارس میں پڑھا رہے ہیں اور انہوں نے کسی طرح کی تربیت حاصل نہیں کی، ان کے لیے کام کے دوران تربیت اور چیزوں میں ریفریشر کورسز کا اہتمام کیا جائے۔

(3) اساتذہ کے کیڈر (کورس) بنائے جائیں یعنی یہ طے کر دیا جائے کہ کس الہیت کا استاد کس درجے کے طلباء کو پڑھا سکتا ہے۔ بڑے درجوں کو پڑھانے والے اساتذہ کے لیے تجربے، تحقیق اور تصنیف و تالیف کی خصوصی شرائط ہونی چاہئیں۔ متعلقہ الہیت کے بغیر استاد کی تعیناتی کا عدم تصور ہونی چاہیے۔ اسی طرح اساتذہ کی کم از کم تجربہ کے سکیل بھی مقرر ہونے چاہیے۔ اگرچہ یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ دینی مدارس پر بہت زیادہ مالی بوجھ ہے لیکن اس کے باوجود ان مدارس کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے ناگزیر ہے کہ اساتذہ کے حالاتِ کار بہتر بنائے جائیں۔ انکے معاوضے بڑھائے جائیں اور انہیں باعزت زندگی گزارنے کے موقع مہیا کئے جائیں تاکہ وہ دلجمی سے عمل تدریس میں فعال کردار ادا کر سکیں۔

(4) تدریسی تربیت کے لیے صرف ان طلبہ کو منتخب کیا جائے جو تدریس کا رجحان رکھتے ہوں اور اسے بطورِ مشن اپانا چاہتے ہوں۔ یہ نہ ہو کہ جسے اور کوئی ملازمت نہ ملے وہ مدرس بن جائے۔ نیز اس امر کی ضمانت کے لیے کہ صرف لاائق طلبہ ہی اس طرف آئیں، انتخاب کے وقت کڑا معیار مقرر ہونا چاہیے مثلاً کم از کم درجہ جید جدا... نیز انٹر دیو کے علاوہ اس غرض کے لیے خصوصی امتحان بھی لیا جاسکتا ہے۔

(5) دوسرے بڑے اداروں کی طرح دینی مدارس میں بھی اساتذہ کے لیے اجتماعی سہولتیں ہونی چاہیں جیسے ایک شہر سے دوسرے شہر میں تبادلے کی سہولت میں اولاد اتھ بینیفت (کبر سنی فنڈ) اور بنو ولینٹ فنڈ (اجتماعی بہبود فنڈ) وغیرہ۔ دینی مدارس کے وفاقوں کو اس سلسلے میں حکومتِ پاکستان سے اصرار کر کے بعض سہولتیں لینی چاہیں تاکہ دینی مدارس میں تدریس اگر پر کشش نہیں تو کم از کم قابل قبول پیشہ تو بن سکے۔

### طلبہ

اس وقت عمومی کیفیت یہ ہے کہ والدین غربت کی وجہ سے اگر بچوں کی تعلیم و پرورش نہ کر سکیں یا بچہ خداخواستہ معدود ہو جائے یا جدید تعلیم میں نہ چلے تو سے دینی مدرسے میں داخل کر دیا جاتا ہے کہ چلئے اسی بہانے وہ مفت میں پل بھی جائے گا اور کچھ پڑھ لکھ بھی جائے گا۔ ایسے طلبہ سے کس طرح توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ قوم کی دینی رہنمائی کا بھاری بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں گے۔ دوسری طرف دیکھئے کہ سی ایس پی افسر، ڈاکٹر یا نجیبیت بننے کے لیے چونکہ پر کشش تجھواہیں اور سنہری مستقبل کا خواب ہوتا ہے لہذا قوم کی کریم اور اس کے ذہین ترین افراد ان شعبوں کی طرف چلے جاتے ہیں اور دینی مدارس کے حصے میں محسوس تلچھت ہی آتی ہے۔ اس صورتِ حال پر غور کرنے بلکہ اس سے نکلنے کی فکر اور پلانگ ہونی چاہیے تاکہ ذہین بچوں کو دینی تعلیم کی طرف آنے کے لیے راغب کیا جاسکے۔

اس کے لیے ہم جتنی اقدامات کی ضرورت ہے جن میں سے بعض کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ مثلاً دینی مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لیے روزگار کے موقع وسیع کرنا، اچھے اساتذہ کا تقرر، دینی مدارس کے تعلیمی ماحول کو بہتر بنانا اور معاشرے کے کھاتے پیتے افراد کو ترغیب دلانا اور مطمئن کرنا

کہ وہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے لیے فارغ کریں۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ بعض اوقات والدین مجبوری یا شوق و جذبات میں آ کر بچوں کو دینی تعلیم کی طرف دھکیل دیتے ہیں جب کہ بچے کا اپنا رجحان اس کی طرف نہیں ہوتا۔ ایسے بچے کا، ظاہر ہے، دینی تعلیم کے لحاظ سے کوئی مستقبل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ والدین صرف ان بچوں کو دینی تعلیم کی طرف پہنچیں جن میں وہ ضروری رجحان دیکھیں اور اپنی مجبوریوں یا شوق سے بچے کو دینی تعلیم حاصل کرنے پر مجبور نہ کریں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب بچے سن شعور کو پہنچ جائے تو یہ حق اسے دیا جانا چاہئے کہ وہ مستقبل میں دینی تعلیم حاصل کرے گا یا نہیں؟ اس طرح جو بچے اپنی خوشی اور شوق سے دینی تعلیم کی طرف آئیں گے، وہی مستقبل میں کچھ کر کے دکھائیں گے اور جو مارے بندھے آئیں گے، وہ بہت کم سیکھ سکیں گے۔ دینی مدارس کو بھی چاہیے کہ وہ اس نقطہ نظر سے اپنے طلبہ کا تقیدی نظر سے جائزہ لیں اور جن طلبہ میں دینی تعلیم کا رجحان نہ دیکھیں، انہیں مدرسے سے فارغ کر دیں کیونکہ جو بچہ کسی مضمون میں شوق و دلچسپی نہ رکھتا ہو، وہ کچھ نہیں سیکھ سکتا۔

### تعلیمی پالسی

کسی بھی تعلیمی ادارے کا ماحول طلبہ کی تعلیم و تربیت میں انتہائی اہم روٹ ادا کرتا ہے لیکن یہ ماحول کوئی مجرد چیز نہیں بلکہ یہ اساتذہ اور طلبہ کے باہمی تعامل سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ اس چیز کا مظہر ہوتا ہے کہ تعلیمی ادارہ چلانے والے تعلیم و تربیت کے کیا تصورات رکھتے ہیں اور وہ کس قسم کا طالب علم پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ سکول انتظامیہ اور اساتذہ جس قسم کا کلچر پروان چڑھانا چاہیں گے، اسی قسم کا ماحول تعلیمی ادارے میں پروان چڑھے گا۔ مثلاً اس وقت دینی مدارس میں ماحول پیدا کیا جاتا ہے کہ طلبہ جدید علوم نہ پڑھیں اور صرف اپنے مسلک کی حمایت سے متعلق مواد کا مطالعہ کریں۔ مدارس میں بالعموم کھیل کوڈ کا انتظام نہیں ہوتا۔ بعض جگہ طلبہ کو چندہ جمع کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا اور بہت سے دیہات و قصبات میں ابھی تک طلبہ کا کھانا لوگوں کے گھروں سے آتا ہے یا وہ وہاں جا کر کھاتے ہیں۔ یا گھر گھر سے مانگ کر لاتے ہیں۔ ظاہر ہے ان سب باتوں سے دینی مدارس میں ایک خاص قسم کا کلچر پروان چڑھتا ہے۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ دینی مدارس کا موجودہ ماحول تبدیل ہونا چاہیے اور جو تجویز ہم نے سطور بالا میں پیش کی ہیں، اگر ان پر عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ ان تعلیمی اداروں کا ماحول خود بخود تبدیل ہو جائیگا۔

تعلیمی ادارے کے ماحول پر جو چیز اثر انداز ہوتی ہے، ان میں اساتذہ او رنضاب کے علاوہ غیر نصابی بلکہ ہم نصابی سرگرمیوں کا بھی بہت ہاتھ ہوتا ہے۔ ان سرگرمیوں کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں: ایک خالص دینی تربیت کی سرگرمیاں اور دوسرا وہ سرگرمیاں جن میں طلبہ کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور ان کی شخصیت میں تعمیری رجحانات پروان چڑھتے ہیں۔ اول الذکر میں جھوٹ نہ بولنا، گالی نہ دینا، نماز باقاعدگی سے پڑھنا وغیرہ شامل ہے۔ جب کہ دوسرا قسم کی سرگرمیوں میں تقریر و تحریر کی صلاحیت پروان چڑھانا، کھلیوں میں حصہ لینا، عملی سرگرمیوں میں شریک ہونا (جیسے تقریبات کا انتظام کرنے میں حصہ لینا، باغبانی کرنا، کلاس روم کی آرائش کرنا وغیرہ)۔ ضروری ہے کہ دینی مدارس میں ہم نصابی سرگرمیوں کو منظم کیا جائے تاکہ طلبہ میں مذکورہ دونوں قسم کی صلاحیتیں پروان چڑھیں۔

ہم محسوس کرتے ہیں کہ بحیثیتِ مجموعی اس وقت دینی مدارس کا ماحول تبدیل کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ طلبہ ایک نئے کلچر میں پروان چڑھ سکیں۔ اس نئے کلچر کے خدوخال کیا ہونے چاہیں؟ اس پر نئے سرے سے کچھ لکھنے کی بجائے ہم یہ کہنے پر کلفیت کریں گے کہ سطور بالا میں ہم نے دینی مدارس کے نظام میں جن تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے، اگر ان پر عمل درآمد کیا جائے تو موجودہ ماحول کی بندھنیں خود بخود ڈھیلی ہونا شروع ہو جائیں گی اور ماحول میں کشادگی، وسعت اور رواداری کے درپیچے وا ہونا شروع ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ

## حوالہ جات

1. دیکھئے مثلاً تنظیم المدارس، پاکستان کا مجموعہ نصاب تعلیم: پس منظر میں ص ۱ اور رابطہ المدارس الislamیہ پاکستان کا مطبوعہ دستور اور نصاب تعلیم : اغراض و مقاصد ص ۱، ۲
2. مولانا امین احسن اصلاحی، ترکیہ نفس: ج ۱ ص ۷۱، طبع ملک سنز، فیصل آباد
3. امام مالک، موطا، کتاب القرآن ، دار احیاء التراث العربي بیروت ۱۹۵۸ء

4. ڈاکٹر محمد امین ، تعلیمی ادارے اور کردار سازی ، عزیز بک ڈپو ، لاہور ۱۹۹۷ء
5. نفس المرجع ص ۳۱، ۳۷
6. نفس المرجع ص ۵۰، ۸۸
7. جاخط ، البیان و الشیئن ج ۲ ص ۹۲
8. ابن حجر عسقلانی ، تہذیب التہذیب: ج ۵ ص ۵۳
9. مسلمانوں کے قدیم نظام و نصاب تعلیم کے لیے دیکھئے:
- (1) ڈاکٹر احمد شبی، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۶ء
  - (2) محمد رشید رضا، تاریخ الاستاذ الامام شیخ محمد عبدہ، قاهرہ، طبع دوم ۱۳۸۳ھ
  - (3) ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، بر صغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا قدیم نصاب تعلیم درسہ ماہی 'العارف' لاہور جولائی، ستمبر ۱۹۹۷ء
10. ضیاء الدین برلنی، تاریخ فیروز شاہی بدیل علماء الدین خلجی
11. بدایوی، منتخب التواریخ ج ۱ ص ۳۱۵ و بعد و محمد حسین آزاد، دربار اکبری ص ۶۷۳، ۶۷۴
12. شبی نعمانی، مقالات شبی ج ۳ ص ۱۲۳
13. مولانا مناظر احسن گیلانی، سوانح مولانا قاسم نانوتوی ج ۲ ص ۲۹۹ بحوالہ دیوبند کی سالانہ رپورٹ برائے سال ۱۸۷۰ء
14. شبی، مقالات شبی ج ۳
15. ابو الكلام نے نہ صرف تذکرہ میں درسِ نظامی پر تقید کی ہے بلکہ ۱۹۱۶ء میں جدید نصاب کی تدوین بھی کی (بحوالہ مولانا غلام رسول مہر در تبرکات آزاد، اسی طرح انہوں نے ۱۹۳۶ء میں ایک کمیٹی بنائی، جس میں مولانا حسین احمد مدنی، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا حفظ الرحمن سیوطہ روی بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی نے جدید نصاب تیار کر بھی لیا جس کا ایک نسخہ رام پور لابیریری میں آج بھی محفوظ ہے، بحوالہ عابد رضا بیدار، ہندوستانی مسلمانوں کی ریفارم کے مسائل
16. مولانا مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۹۳، ۲۹۴
17. مولانا کے الفاظ یہ ہیں: "علوم دینیہ کی تعلیم کے لیے جو کتابیں اور جس ترتیب سے رکھی گئی ہیں وہ مقصد کے حصول کے لیے کافی نہیں ہیں، پھر ان کا جو طریق تعلیم ہے وہ بھی ناقص ہے۔"
18. مولانا زین العابدین سجاد، ہندوستان کے عربی مدارس اور ان کے نصاب تعلیم پر ایک نظر در مجلہ "اسلام اور عصر جدید" دہلی جنوری ۱۹۷۰ء، ص ۸۱
19. اردو دائرة معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ج ۱۲ ص ۹۸۳
20. مجلہ 'القاسم' دیوبند کا دارالعلوم نمبر: محرم، ج ۷ ۱۳۸۴ھ، ص ۳
21. مولانا زین العابدین سجاد، ہندوستان کے عربی مدارس ... در مجلہ "اسلام اور عصر جدید" دہلی جنوری ۱۹۷۰ء، ص ۸۳
22. تفصیل کے لیے دیکھئے:
- (1) مولانا محمد طیب، دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی
  - (2) مولانا سید محمد میاں، علمائے حق اور ان کے مجاہدناہ کارنامے جلد اول
  - (3) مولانا مناظر احسن گیلانی، سوانح مولانا محمد قاسم نانوتوی
  - (4) ضیاء الحسن فاروقی، دیوبندی مکتبہ فکر اور مطالیب پاکستان
  - (5) سید محبوب رضوی، تاریخ دارالعلوم دیوبند
  - (6) ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، برستی ہندوستان اور مدارس دارالعلوم دیوبند،

23. پاکستان میں درس نظامی کے مالہ و ماعلیہ کے لیے دیکھئے:

1) ڈاکٹر رشید احمد جاندھری، دینی مدارس کا نصابِ تعلیم اور جدید تقاضے الحمدود الکبُریٰ لاہور ۱۹۹۵ء

2) سہ ماہی الشریعہ<sup>۱</sup> گوجرانوالہ کا خصوصی شمارہ، جولائی ۱۹۹۸ء

24. ابن خلدون، مقدمہ، فصل فی ابطال الفلسفہ

25. مجدد الف ثانی، مکتوبات، دفتر اول، مکتب نمبر ۲۶۶ نیز دفتر سوم مکتب ۲۳

26. غزالی، احیاء علوم الدین، طبع قاهرہ ج ۳ ص ۱۱، ۲

27. غلام علی آزاد، ماثر الکرام، ص ۸۹، ۸۲

28. ابن خلدون، مقدمہ طبع قاهرہ، ۱۳۸۲ء (باب ششم، فصل ۲۰) ج ۲ ص ۱۲۳۹

## نوٹ

☆ دینی مدارس میں الہامی علوم کے ساتھ عصری معلومات کا امتزاجی تصور اہم ہونے کے باوجود تدریسی اعتبار سے اسے ایک ہی وقت میں رکھنے کے تجربات عملاً بڑے ناکام ثابت ہوئے ہیں جس کی بڑی وجہ مقاصد کے علاوہ دو مختلف طریق ہائے تدریس کا بعد ہے کیونکہ ہمارے ہاں مرُّون دنیاوی تعلیم میں طلبہ کا عمومی رجحان صرف امتحان پاس کرنے کا ہوتا ہے لہذا انہیں علم و فن یا نفس کتاب کے فہم سے تعلق برائے نام ہی رہتا ہے اور امتحان میں مطلوب پاس نمبر ۳۳ فیصد بھی رہی سہی کسر نکال دیتے ہیں جب کہ دینی مدارس یہ کتاب کے مضامین سمیت فہم کتاب کا بڑا اہتمام ہوتا ہے۔

اس وقت طریقہ ہائے تدریس میں فہم کتاب اور مضامین علم و فن کے مقابل سے قطع نظر صرف یہ توجہ دلانا مقصود ہے کہ کسی مثالی امتزاجی تصور کی طرف بڑھنے کے لیے عبوری مراحل کے اقدامات ناقص ہونے کے باوجود اہمیت رکھتے ہیں چنانچہ اگر فی الوقت دینی مدارس اقامتی ہونے کی بنا پر جزوی طور پر ہی دوسری شفت میں دنیاوی علوم کو شامل کر لیں تو ایک اہم پیش رفت ہوگی۔ بعد ازاں امتزاجی مقاصد کی ہم آہنگی حاصل ہونے پر جب مثالی تدریسی طریق کار وجود یہیں آجائے تو پھر اسی طرح دینی اور دنیاوی علوم کو اکٹھا پڑھایا جا سکتا ہے جیسے درسِ نظامی کے ابتدائی دور میں دونوں علوم اس میں شامل ہونے کی وجہ سے اکٹھے پڑھائے جاتے تھے... (محدث)

دینی مدارس کے دفاع اور ان کی اصلاح پر احمد<sup>۱</sup> میں شائع ہونیوالے مضامین

ادارہ محدث ارباب تعلیم اور اصحاب مدارس کے لئے لمحہ فکریہ جلد ۲ عدد ۷ تا ۷

ادارہ محدث دینی مدارس کے خلاف زہر افغانی (فکر ہر کس بقدر ہمت اوسٹ) جلد ۲۰ عدد ۸

ادارہ محدث وفاق المدارس السلفیہ کے یکسانی نصاب کے متعلق تجویز جلد ۱ عدد ۱۰

ثناء اللہ بلستانی مدینہ یونیورسٹی کی اعلیٰ مشاورتی کمیٹی کی سفارشات جلد ۳ عدد ۹ تا ۲۲

حسن مدینی، حافظ حفظ قرآن اور تجوید و قرات کا جدید تعلیمی منیج جلد ۳۲ عدد ۵ تا ۳۰

زاهد ارشدی، مولانا دینی مدارس اور بنیاد پرستی جلد ۳۲ عدد ۱ تا ۳۳

صلاح الدین یوسف، حافظ دینی مدارس مقاصد اور پس منظر جلد ۲ عدد ۲ تا ۹

صلاح الدین یوسف، حافظ دینی مدارس، غلط فہیموں اور شبہات کا ازالہ جلد ۲۲ عدد ۹ تا ۱۰

عبدالرشید اظہر دینی مدارس کے نصاب اور طرزِ تعلیم پر ایک نظر (۳/اقسام) جلد ۲ عدد ۸، ۷، ۶ کل: ۲۲

متاز احمد، ڈاکٹر بغلہ دیش میں دینی مدارس، نئے رجحانات جلد ۳۲ عدد ۹ تا ۷

یوسف لدھیانوی<sup>۲</sup>، محمد فکر ہر کس بقدر ہمت اوسٹ (دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کا جواب) جلد ۲۰ عدد ۸ تا ۷